حبیب جالب
کی شاعری سے انتخاب

غزل

کبھی تو مہرباں ہو کر بلا لیں
یہ مہوش ہم فقیروں کی دعا لیں

نہ جانے پھر یہ رت آئے نہ آئے
جواں پھولوں کی کچھ خوشبو چرا لیں

بہت روئے زمانے کے لئے ہم
ذرا اپنے لئے آنسو بہا لیں

ہم ان کو بھولنے والے نہیں ہیں
سمجھتے ہیں غمِ دوراں کی چالیں

ہماری بھی سنبھل جائے گی حالت
وہ پہلے اپنی زلفیں تو سنبھالیں

نکلنے کو ہے وہ مہتاب گھر سے
ستاروں سے کہو نظریں جھکا لیں

ہم اپنے رستے پہ چل رہے ہیں
جنابِ شیخ اپنا راستہ لیں

زمانہ تو یونہی روٹھا رہے گا
چلو جالبؔ انہیں چل کر منا لیں

غزل

پھر دل سے آرہی ہے صدا، اس گلی میں چل
شاید ملے غزل کا پتا، اس گلی میں چل

کب سے نہیں ہوا کوئی شعر کام کا
یہ شعر کی نہیں ہے فضا، اس گلی میں چل

وہ بام و در، وہ لوگ، وہ رُسوائیوں کے زخم
ہیں سب کے سب عزیز جدا، اُس گلی میں چل

اُس پھول کے بغیر بہت جی اُداس ہے
مجھ کو بھی ساتھ لے کے صبا اس گلی میں چل

دنیا تو چاہتی ہے یُونہی فاصلے رہیں
دنیا کے مشوروں پہ نہ جا، اُس گلی میں چل

بے نور و بے اثر ہے یہاں کی صدائے ساز
تھا اُس سکوت میں بھی مزا، اس گلی میں چل

جالبؔ پکارتی ہیں وہ شعلہ نوائیاں

یہ سرد رُت، یہ سرد ہوا اس گلی میں چل

غزل

ہوتا ہے سرِ شام سلاخوں کا جو در بند
کر لیتے ہیں ہم بھی کئی مہتاب نظر بند

ترسیں گی اُجالوں کو شبِ غم کی نگاہیں
ہو جائے گا جس روز مرا دیدۂ تر بند

رستہ کہاں سورج کا کوئی روک سکا ہے
ہوتی ہے کہاں رات کے زنداں میں سحر بند

جینا ہمیں آتا ہے بہر طور مری جاں
کرتے رہیں وہ زیست کی ہر راہ گزر بند

ہے فرض تجھی پر کہ ہر اک عہد میں جالبؔ
آلام اُٹھائے جا زباں اپنی نہ کر بند

غزل

آج اس شہر میں، کل نئے شہر میں، میں اسی لہر میں
اُڑتے پتوں کے پیچھے اُڑاتا رہا شوقِ آوارگی

اس گلی کے بہت کم نظر لو گ تھے، فتنہ گر لوگ تھے
زخم کھاتا رہا مسکراتا رہا، شوقِ آوارگی

کوئی پیغام گل تک نہ پہنچا، مگر پھر بھی شام و سحر
ناز بادِ چمن کے اٹھاتا رہا شوقِ آوارگی

کوئی ہنس کے ملے، غنچۂ جاں کھلے، چاک دل کا سلے
ہر قدم پر نگاہیں بچھاتا رہا شوقِ آوارگی

دُشمن جاں فلک، غیر ہے یہ زمیں کوئی اپنا نہیں
خاک سارے جہاں کی اُڑاتا رہا شوق آوارگی

غزل

دشمنوں نے جو دُشمنی کی ہے
دوستوں نے بھی کیا کمی کی ہے

خامشی پر ہیں لوگ زیرِ عتاب
اور ہم نے تو بات بھی کی ہے

مطمئن ہے ضمیر تو اپنا
بات ساری ضمیر ہی کی ہے

اپنی تو داستاں ہے بس اتنی
غم اُٹھائے ہیں، شاعری کی ہے

اب نظر میں بہتر ہے ایک ہی پھول
فکر ہم کو کلی کلی کی ہے

پا سکیں گے نہ عمر بھر جس کو
جستجو آج بھی اُسی کی ہے

جب مہ و مہر بجھ گئے جالبؔ
ہم نے اشکوں سے روشنی کی ہے

غزل

شعر سے شاعری سے ڈرتے ہیں
کم نظر روشنی سے ڈرتے ہیں

لوگ ڈرتے ہیں دُشمنی سے تری
ہم تری دوستی سے ڈرتے ہیں

دہر میں آہِ بیکساں کے سوا
اور ہم کب کسی سے ڈرتے ہیں

ہم کو غیروں سے ڈر نہیں لگتا
اپنے احباب ہی سے ڈرتے ہیں

داورِ حشر بخش دے شاید
ہاں مگر مولوی سے ڈرتے ہیں

روٹھتا ہے تو رُوٹھ جائے جہاں
اُن کی ہم بے رُخی سے ڈرتے ہیں

ہر قدم پر ہے محتسب جالبؔ
اب تو ہم چاندنی سے ڈرتے ہیں

ارباب ذوق

گھر سے نکلے کار میں بیٹھے، کار سے نکلے دفتر پہنچے
دن بھر دفتر کوٹر خایا
شام کو جب اندھیارا چھایا
محفل میں ساغر چھلکایا

پھول پھول بھونرا لہرایا، رات کے ایک بجے گھر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

غالبؔ سے ہے ان کو رغبت
میرؔ سے بھی کرتے ہیں اُلفت
اور تخلص بھی ہے عظمت
گھر اقبالؔ کے کھانے دعوت چھوٹی عمر میں پہنچے اکثر
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

حلقے میں اتوار منانا
ان کا ہے انداز پرانا
نئی ادائیں نیا زمانا

منٹو کا سننے افسانہ اکثر پہنے نیکر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

ناک پہ چشمہ سا اٹکائے
گردن میں ٹائی لٹکائے
انگلش لٹریچر کو کھائے
اُردو لٹریچر پر ہائے، کالج دینے لیکچر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے، کار سے نکلے دفتر پہنچے

روئے بھگت کبیر

پوچھو نہ کیا لاہور میں دیکھا، ہم نے میاں نظیر
پہنیں سوٹ، انگریزی بولیں اور کہلائیں میر
چودھریوں کی مٹھی میں ہے شاعر کی تقدیر
روئے بھگت کبیر

اک دُوجے کو جاہل سمجھیں نٹ کھٹ بُدّھی وان
میٹرو میں جو چائے پلائے بس وہی وہ باپ سمان
سب سے اچھا شاعر وہ ہے جس کا یار مدیر
روئے بھگت کبیر

سڑکوں پر بھوکے پھرتے ہیں شاعر، موسیقار
ایکٹرسوں کے باپ لیے پھرتے ہیں موٹر کار
فلم نگر تک آ پہنچے ہیں سیّد، پیر، فقیر

روئے بھگت کبیر

لال دین کی کوٹھی دیکھی رنگ بھی جس کا لال
شہر میں رہ کر خوب اُڑائے دہقانوں کا مال
اور ہے اجداد نے بخشی مجھ کو یہ جاگیر
روئے بھگت کبیر

جس کو دیکھو لیڈر ہے اور جس سے ملو وکیل
کسی طرح بھرتا ہی نہیں ہے، پیٹ ہے ان کا جھیل
مجبوراً سننا پڑتی ہے ان سب کی تقریر
روئے بھگت کبیر

محفل سے جو اُٹھ کر جائے کہلائے وہ بور
اپنی مسجد کی تعریفیں، باقی جوتے چور
اپنا جھنگ بھلا ہے پیارے جہاں ہماری ہیر
روئے بھگت کبیر

☆☆☆

بھئے کبیر اُداس

اک پٹڑی پر سردی میں اپنی تقدیر کو روئے
دوجا زلفوں کی چھاؤں میں سکھ کی سیج پہ سوئے
راج سنگھاسن پر اک بیٹھا اور اک اس کا داس
بھئے کبیر اُداس

اونچے اونچے ایوانوں میں مورکھ حکم چلائیں
قدم قدم پر اس نگری میں پنڈت دھکّے کھائیں
دھرتی پر بھگوان بنے ہیں دھن ہے جن کے پاس
بھئے کبیر اُداس

گیت لکھائیں پیسے نا دیں فلم نگر کے لوگ
اُن کے گھر باجے شہنائی لیکھک کے گھر سوگ
گائک سُر میں کیوں کر گائے کیوں نہ کاٹے گھاس
بھئے کبیر اُداس

کل تک تھا جو حال ہمارا، حال وہی ہے آج
جالبؔ اپنے دیں میں سکھ کا کال وہی ہے آج
پھر بھی موچی گیٹ پر لیڈر روز کریں بکواس
بھئے کبیر اُداس

دستور

دیپ جس کا محلّات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کی پلے
ایسے دستور کو، صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے

کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو، جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

پھول شاخوں پہ کھلنے لگے، تم کہو
جام رندوں کو ملنے لگے، تم کہو
چاک سینوں کے سلنے لگے، تم کہو
اس کھلے جھوٹ کو، ذہن کی لُوٹ کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

تم نے لُوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا فسوں
چارہ گر میں تمہیں کس طرح سے کہوں
تم نہیں چارہ گر، کوئی مانے، مگر
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

☆☆☆

جمہوریت

دس کروڑ انسانو!
زندگی سے بیگانو!

صرف چند لوگوں نے حق تمہارا چھینا ہے
خاک ایسے جینے پر یہ بھی کوئی جینا ہے
بے شعور بھی تم کو بے شعور کہتے ہیں
سوچتا ہوں ہر ناداں کس ہوا میں رہتے ہیں
اور یہ قصیدہ گو فکر ہے یہی جن کو

ہاتھ میں علم لے کر تم نہ اُٹھ سکو لوگو
کب تک یہ خاموشی چلتے پھرتے زندانو
دس کروڑ انسانو!

یہ ملّیں یہ جاگیریں کس کا خون پیتی ہیں
بیرکوں میں یہ فوجیں کس کے بل پہ جیتی ہیں
کس کی محنتوں کا پھل داشتائیں کھاتی ہیں
جھونپڑوں سے رونے کی کیوں صدائیں آتی ہیں
جب شباب پر آ کر کھیت لہلہاتا ہے
کس کے نین روتے ہیں کون مسکراتا ہے
کاش تم کبھی سمجھو کاش تم کبھی جانو
دس کروڑ انسانو!

علم وفن کے رستے میں لاٹھیوں کی یہ باڑیں
کالجوں کے لڑکوں پر گولیوں کی بوچھاڑیں
یہ کرائے کے غنڈے یادگارِ شب دیکھو
کس قدر بھیانک ہے ظلم کا یہ ڈھب دیکھو
رقصِ آتش و آہن دیکھتے ہی جاؤ گے
دیکھتے ہی جاؤ گے ہوش میں نہ آؤ گے
اے خموش طوفانو!
دس کروڑ انسانو!

سینکڑوں حسن ناصر ہیں شکار نفرت کے
صبح و شام لُٹتے ہیں قافلے محبت کے
جب سے کالے باغوں نے آدمی کو گھیرا ہے

مشعلیں کرو روشن دور تک اندھیرا ہے
میرے دیس کی دھرتی پیار کو ترستی ہے
پتھروں کی بارش ہی اس پہ کیوں برستی ہے
ملک کو بچاؤ بھی ملک کے نگہبانو
دس کروڑ انسانو!

بولنے پہ پابندی سوچنے پہ تعزیریں
پاؤں میں غلامی کی آج بھی ہیں زنجیریں
آج حرفِ آخر ہے بات چند لوگوں کی
دن ہے چند لوگوں کا رات چند لوگوں کی
اُٹھ کے دردمندوں کے صبح و شام بدلو بھی
جس میں تم نہیں شامل وہ نظام بدلو بھی

دوستوں کو پہچانو
دُشمنوں کو پہچانو
دس کروڑ انسانو!

نذرِ مارکس

یہ جو شب کے ایوانوں میں اک ہلچل اک حشر بپا ہے
یہ جو اندھیرا سمٹ رہا ہے، یہ جو اُجالا پھیل رہا ہے
یہ جو ہر دُکھ سہنے والا دُکھ کا مداوا جان گئی ہے
مظلوموں مجبوروں کا غم یہ جو مرے شعروں میں ڈھلا ہے

یہ جو مہک گلن گلش ہے، یہ جو چمک عالم عالم ہ
مارکسزم ہے، مارکسزم ہے، مارکسزم ہے، مارکسزم ہے

یوم مئی

صدا آ رہی ہے مرے دل سے پیہم
کہ ہو گا ہر اک دُشمنِ جاں کا سر خم
نہیں ہے نظام ہلاک میں کچھ دم
ضرورت ہے انساں کی امن عالم
فضاؤں میں لہرائے گا سُرخ پرچم
صدا آرہی ہے مرے دل سے پیہم
نہ ذلّت کے سائے میں بچے پلیں گے
نہ ہاتھ اپنے قسمت کے ہاتھوں مَلیں گے
مساوات کے دیپ گھر گھر جلیں گے
سب اہل وطن سر اُٹھا کر چلیں گے
نہ ہو گی کبھی زندگی وقفِ ماتم
فضاؤں میں لہرائے گا سُرخ پرچم

☆☆☆☆☆☆

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر، دیوار کو در، کرگس کو ہُما کیا لکھنا

اک حشر بپا ہے گھر گھر میں دم گھٹتا ہے گنبدِ بے درمیں
اک شخص کے ہاتھوں مدت سے رُسوا ہے وطن دنیا بھر میں
اے دیدہ ورو! اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا
ظلمت کوضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

یہ اہلِ حشم، یہ دار و جم، سب نقش برآب ہیں اے ہم دم
مٹ جائیں گے سب پر وردۂ شب، اے اہلِ وفا رہ جائیں گے ہم
ہو جاں کا زیاں، پر قاتل کو معصوم ادا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

لوگوں پہ ہی ہم نے جاں واری، کی ہم نے اپنی ہی غم خواری
ہوتے ہیں تو ہوں یہ ہاتھ قلم، شاعر نہ بنیں گے درباری
ابلیس نما انسانوں کی اے دوست ثنا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صر صر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

حق بات پہ کوڑے اور زنداں، باطل کے شکنجے میں ہے یہ جاں
انساں ہیں کہ سہمے بیٹھے ہیں، خونخوار درندے ہیں رقصاں
اس ظلم وستم کو لطف وکرم، اس دُکھ کو دوا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

ہر شام یہاں شامِ ویراں، آسیب زدہ رستے گلیاں
جس شہر کی دھن میں نکلے تھے وہ شہرِ دل برباد کہاں
صحرا کو چمن، بن کو گلشن، بادل کو ردا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

اے میرے وطن کے فنکار! ظلمت پہ نہ اپنا فن وارو
یہ محل سراؤں کے باسی، قاتل ہیں سبھی اپنے یارو
ورثے میں ہمیں یہ غم ہے ملا، اس غم کو نیا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صر صر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

☆☆☆

میری بچّی

میری بچی میں آؤں نہ آؤں
آنے والا زمانہ ہے تیرا
تیرے ننھے سے دل کو دُکھوں نے
میں نے مانا کہ ہے آج گھیرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

تیری آشا کی بگیا کھلے گی
چاند کی تجھ کو گڑیا ملے گی
تیری آنکھوں میں آنسو نہ ہوں گے
ختم ہوگا ستم کا اندھیرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

درد کی رات ہے کوئی دم کی
ٹوٹ جائے گی زنجیر غم کی
مسکرائے گی ہر آس تیری
لے کے آئے گا خوشیاں سویرا

آنے والا زمانہ ہے تیرا

سچ کی راہوں میں جو مر گئے ہیں
فاصلے مختصر کر گئے ہیں
دُکھ نہ جھیلیں گے ہم منہ چھپا کے
سُکھ نہ لُوٹے گا کوئی لیٹرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

☆☆☆

ہتھکڑی

اُس کو شاید کھلونا لگی ہتھکڑی
میری بچی مجھے دیکھ کر ہنس پڑی

یہ ہنسی تھی سحر کی بشارت مجھے
یہ ہنسی دے گئی کتنی طاقت مجھے
کس قدر زندگی کو سہارا ملا
ایک تابندہ کل کا اشارہ ملا

☆☆☆